JIHĀT-UL-ISLĀM
Vol: 14, Issue: 01, July – December 2020

OPEN ACCESS
JIHĀT-UL-ISLĀM
pISSN: 1998-4472
eISSN: 2521-425X
www.jihat-ul-islam.com.pk

عصر حاضر میں جانوروں کوادھیاپردینے کے مروجہ معاملہ کاجائزہ اور متبادل صورتیں

An Analysis of current practice of feeding animals and its alternatives

Dr. Muhammad Abdullah*
Assistant Professor, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore.

Abstract

There is a transaction among the people in our society which called Adhea. Its process is that a people give his animal to another for bringing up. Then the second person perform his duty and after some years when this animal becomes adult or born a child, then the owner him this child to second person or sell this animal and profit divides between them. This transaction is not according to the Islamic rules. So the wages and time period of work are not fixed. There are some other alternate situations to solve the problem of this issue. If we manage our transaction according to that we can act upon the Fiqe Hanafi. This is a current issue of our age we can change our transactions according to these opinions which is in the light of islamic rules and regulation.

Keywords: *Animals, Exchange, Adhea.*

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات بنایا ہے،اس میں جہاں عقائد، عبادات اور اخلاقیات کے بارے رہنمائی کی گئی ہے ،وہاں معاملات اور معاشیات کے بارے بھی مکمل طور پر رہنمائی موجود ہے،قرآن کریم میں ان اصولوں کاتذکرہ کیا گیا ہے اور حدیث نبوی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مختلف اقسام کی وضاحت فرمادی،مزید فقہاء کرام نے قرآن وحدیث کی ان نصوص کی روشنی میں ان احکامات کی وضاحت کردی،اس کے ساتھ ساتھ روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے جدید مسائل کے حل کے لیے بھی قرآن وحدیث کی انہی نصوص کی روشنی میں امت مسلمہ کی رہنمائی کی،اور بہت سے ایسے مسائل کا حل پیش کیا کہ جن سے لوگوں کو عام طور پر اور خاص طور پر واسطہ پڑتا ہے،انہی مسائل میں سے ہمارے معاشرے میں پیش آمدہ ایک اہم مسئلہ جانوروں کو ادھیاپر پرورش کے لیے دینے کا بھی ہے،جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ لوگ جانوروں کواس طرح پرورش پر دیتے ہیں ،جس کو

عرف میں ادھیا پر دینے کا کہتے ہیں، گویا کہ مویشیوں کو نصف نفع کی شرط کے ساتھ کسی دوسرے شخص کو پرورش کے لیے دینا اور اس میں بہت سے لوگ مبتلا ہیں اس کی مختلف صورتیں رائج ہیں مثلاً:

1۔ ایک شخص عمران ایک گائے خرید کر اسلم کو دیتا ہے اور اس طرح معاملہ کرتا ہے کہ اسلم مقررہ مدت مثلا ایک سال تک اس گائے کی پرورش اور خدمت کرے گا، پھر مقررہ مدت کے بعد اس جانور کی قیمت لگوائی جائے گی، اور اس کی جو قیمت ہوگی فریقین میں سے جو چاہے گا اس جانور کی وہ قیمت دوسرے کو ادا کرکے وہ جانور رکھ لے گا۔

2۔ ایک شخص عمران ایک گائے خرید کر اسلم کو دیتا ہے اور اس طرح معاملہ کرتا ہے کہ اسلم مقررہ مدت مثلا ایک سال تک اس گائے کی پرورش اور خدمت کرے گا، اور سال کے بعد اس میں جو بھی اضافہ ہوگا وہ آپس میں تقسیم کرلیں گے۔

3۔ ایک شخص عمران ایک گائے خرید کر اسلم کو دیتا ہے اور اس طرح معاملہ کرتا ہے کہ اسلم مقررہ مدت مثلا ایک سال تک اس گائے کی پرورش اور خدمت کرے گا، اور سال کے بعد جب اس کے بچہ ہوگا تو بچہ اسلم کا اور گائے اصل مالک کی ہوگی۔

4۔ ایک شخص عمران ایک گائے خرید کر اسلم کو دیتا ہے اور اس طرح معاملہ کرتا ہے کہ اسلم مقررہ مدت مثلا ایک سال تک اس گائے کی پرورش اور خدمت کرے گا، اور جو بچہ پیدا ہوگا وہ دونوں کا آدھا آدھا ہوگا اور اگر دو بچے ہوئے تو ایک مالک کا اور دوسرا پرورش کرنے والے کا ہوگا۔

5۔ ایک شخص عمران ایک گائے خرید کر اسلم کو دیتا ہے اور اس طرح معاملہ کرتا ہے کہ اسلم مقررہ مدت مثلا ایک سال تک اس گائے کی پرورش اور خدمت کرے گا، پہلی مرتبہ جب گائے بچہ جنے گی تو اس وقت پرورش کرنے والا اس سے فائدہ اٹھائے گا اور جب وہ دوسری مرتبہ بچہ جنے گی تو عمران اب اسلم سے یہ کہے گا کہ اس گائے کی قیمت لگواؤ، اور پھر اس کی نصف قیمت یا تو عمران دے کر ساری گائے واپس لے لے گا اور یا اسلم اس کی نصف قیمت عمران کو دے کر ساری گائے کا خود مالک بن جائے گا۔

شرعی طور پر جائزہ لینے سے اس کی حیثیت کچھ اس طرح معلوم ہوتی ہے، آج کل مویشیوں میں بٹائی پر لین دین اور نصف پر دینے کا عام رواج ہے، مذکورہ صورتیں مذہب حنفیّہ کے مطابق ناجائز ہے، اور اجارہ فاسدہ ہے اس کو فسخ کرنا واجب ہے، اور اگر معاملہ فسخ کرنے سے پہلے ایک یا کئی بچے ہوگئے تو وہ بچہ یا بچے اصل مالک کے ہوں گے اور پرورش کرنے والے کو اجرت مثل ملے گی اور اگر اس نے چارہ وغیرہ خرید کر یا اپنی ملکیت کا کھلایا تو اس کی قیمت بھی واجب ہوگی، اور اگر مباح چراگاہ میں چرایا تو اس کی کوئی قیمت واجب نہ ہوگی۔ جیسا کہ الفتاوی الهندية میں ہے:

> دفع بقرة إلى رجل على أن يعلفها وما يكون من اللبن والسمن بينهما أنصافا فالإجارة فاسدة وعلى صاحب البقرة للرجل أجر قيامه وقيمة علفه إن علفها من علف هو ملكه لا ما سرحها في المرعى ويرد كل اللبن إن كان قائما وإن أتلف فالمثل إلى صاحبها لأن اللبن مثلي۔[1](1)۔(ب)

"گائے کسی شخص کو اس شرط پر دی کہ اسے چارہ کھلائے، البتہ جو دودھ اور گھی ہوگا وہ دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا، یہ اجارہ فاسد ہے، بلکہ گائے کے مالک کے ذمہ اس شخص کے لیے جانور کے ٹھہرانے کی اجرت اور اس کے چارے کی

قیمت ہو گی بشرطیکہ وہ اس چارے میں سے کھلائے جس کا وہ شخص خود مالک ہے، نہ کہ اس جانور کو کسی چراگاہ میں چرائے (تو اس صورت میں چارے کی قیمت کا حقدار نہ ہوگا) اور اگر دودھ باقی ہو تو وہ اس کے مالک کو واپس دیا جائے، لیکن اگر وہ دودھ استعمال کر لیا تو اس کی قیمت مثلی اس کے مالک کو ادا کرے، کیونکہ دودھ مثلی اشیاء میں سے ہے۔"

اس مروجہ معاملہ کے فاسد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جانور کو نصف حصّے کے عوض پرورش کیلئے دینا یا آئندہ ہونے والے بچوں میں شرکت کی شرط پر دینا "اجارہ" (کرایہ) کا معاملہ ہے، اور اس میں چونکہ اجیر (جانور پالنے والے) کی اجرت اور مدت دونوں متعین نہیں بلکہ مجہول ہیں، جیساکہ درمختار میں ہے:

الاجارة---شرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة-[2]

"اجارہ---اس کی شرط میں ہے کہ اجرت اور نفع متعین ہو، کیونکہ ان دونوں کی جہالت تنازع پیدا کر دیتی ہے۔"

اسی طرح مزید رقمطراز ہیں:

فلو دفع بزرالقز او بقرة او دجاجالآخر بالعلف مناصفة فالخارج كله للمالک لحدوثه من ملكه وعليه قيمة العلف(اى ان كان مملوكا) واجر مثل العامل-[3]

"اگر کسی شخص نے دوسرے شخص کو ریشم کا کیڑا، یا گائے یا مرغی اس طرح معاملہ کرکے دی کہ وہ ان کی پرورش کرے اور وہ جانور ان دونوں کے مابین نصف نصف حصے کے مالک ہوں گے، جبکہ جو پیداوار ہو گی وہ سب مالک کی ہو گی کیونکہ اس میں اسی کی ملکیت ہے، اور اس پرورش کرنے والے کے لیے چارے کی قیمت ہو گی یعنی کہ اگر وہ اس چارے کا مالک ہو، اور عامل کی اجرت مثلی ہو گی۔"

وہ جہالت اس طرح ہے کہ اس جانور کی مکمل قیمتِ خرید یا قیمتِ خرید کا متناسب حصہ نکالنے کے بعد اجیر کے لئے کچھ رقم بچے گی بھی یا نہیں؟ اور بچے گی تو وہ کتنی ہو گی؟ اور اگر فروخت ہونے سے پہلے جانور مر گیا تو اجیر کو بطور اجرت کچھ بھی نہیں ملے گا اور اس کی محنت ضائع ہو گی؟ جانور کی آگے نسل بڑھے گی بھی یا نہیں؟ اور کتنی مدت میں نسل پیدا ہو گی؟ جانور کو کب بیچا اور تقسیم کیا جائے گا یعنی کتنے دن اس کو پالنا ہوگا؟ اگرچہ بعض جگہ یہ آخری بات یعنی جانور کی پرورش کی مدت متعین کی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود دیگر مفاسد پھر بھی موجود رہتے ہیں، ان جہالتوں کی وجہ سے یہ اجارہ فاسد اور ناجائز ہے، اور عام طور پر اس طرح کے معاملات میں چارے کا خرچ جانور پالنے والے کے ذمہ مشروط ہوتا ہے، یہ شرط جائز نہیں اس کی وجہ سے بھی معاملہ فاسد ہو گا کیونکہ پرورش کرنے والا اس وقت تو چارہ کا خرچ برداشت کر رہا ہے لیکن آئندہ اس جانور میں اس پالنے والے کا منافع درج بالا وجوہات کی وجہ سے غیر یقینی اور موہوم ہے۔

اس معاملہ کی جائز صورتیں یہ ہو سکتی ہیں، ان میں سے کوئی صورت اختیار کی جا سکتی ہے:

(1)---اس معاملہ میں پالنے والے کو اجیر یعنی ملازم رکھا جائے اور اجیر کی اجرت اور جانور پالنے کی مدت متعین کر لی جائے تو ایسی صورت میں یہ معاملہ جائز ہوگا، جیساکہ درمختار میں ہے:

الاجارة----شرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة-[4]

"اجارہ۔۔۔۔اس کی شرط میں ہے کہ اجرت اور نفع متعین ہو، کیونکہ ان دونوں کی جہالت تنازع پیدا کر دیتی ہے"

اور اس میں اجارہ کے تمام احکام جاری ہونگے، اور چارہ کا خرچ بھی مالک کے ذمہ ہوگا۔

(2)۔۔۔اس معاملہ میں پرورش کرنے کی اجرت رقم کی شکل میں متعیّن طور پر الگ سے طے کر لی جائے، بچہ دینا یا جانور کو تقسیم کرنا طے نہ کیا جائے، جیساکہ علامہ شامی ردالمحتار میں رقمطراز ہیں:

وعلى هذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فما حدث فهو لصاحب البقرة وللآخر مثل علفه وأجر مثله، تاترخانية ۔[5]

"اسی طرح اگر کسی شخص نے دوسرے کو گائے پرورش کے لیے دی، اور اس سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ ان دونوں افراد کے درمیان نصف نصف (بطور ملکیت) شمار ہوگا، جبکہ جو بچہ پیدا ہوگا وہ گائے کے اصل مالک کا ہوگا اور دوسرے یعنی خدمت کرنے والے کو اس کے چارے کی قیمت اور اجرت مثلی دی جائے گی۔"

البتہ بعد میں یعنی جس وقت جانور یا اس کا بچہ فروخت کرنے لگیں تو اگر اجرت کی رقم کے عوض بچہ یا نصف جانور کی خرید وفروخت کر لی جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

(3)۔۔۔مالک اپنے جانور کا نصف حصہ جانور پالنے والے شخص کو قیمت طے کرکے فروخت کر دے اور دوسرا شخص اس سودے کو قبول کرے، پھر چاہے تو بائع اس کی قیمت وصول کر لے (اگر اس وقت وہ خریدار اس کی نصف قیمت نہیں دے سکتا تو یہ اس پر قرض ہوگی جو بعد میں کسی بھی وقت وہ نصف قیمت مالک کو ادا کر دے) یا وہ مالک اس کی قیمت معاف کر دے اور یہ کہے کہ تم ان کی پرورش کرو، اس کو اور اس سے ہونے والے بچوں کو ہم آپس میں نصف نصف تقسیم کر لیں گے، جیساکہ الفتاوى الهندية میں اس کے جواز کی یہ صورت بھی ذکر کی ہے:

والحيلة فی ذلک أن يبيع نصف البقرة من ذلک الرجل ونصف الدجاجة ونصف بذر الفليق بثمن معلوم حتى تصير البقرة وأجناسها مشتركه بينهما فيكون الحادث منهاعلى الشركة كذا فی الظهيرية۔[6]

"اس کا حیلہ یہ ہے کہ اس شخص کو نصف گائے فروخت کر دے، اور نصف مرغی بیچ دے، اور نصف بیج متعین قیمت کے ساتھ بیچ دے، تاکہ وہ گائے اور اس کی جنس سے جو اشیاء بھی ہوں وہ دونوں اشخاص کے مابین مشترک ہو جائیں، پھر جو بھی نفع ہوگا وہ دونوں میں برابر مشترکہ ہوگا۔ اسی طرح ظہیریہ میں ہے۔"

البتہ اس صورت میں اگر یہ (جانور پالنے والا) شخص اصل مالک سے چارے وغیرہ کا نصف خرچہ وصول کرنا چاہے تو وصول کر سکتا ہے اور معاف کرنا چاہے تو معاف کر سکتا ہے۔ نیز جتنے فیصد حصہ بیچا جائے گا بعد میں اسی تناسب سے شرکت رہے گی یعنی اگر پچاس فیصد کے بجائے مثلاً تیس فیصد جانور بیچا تو بعد میں پیدا ہونے والے بچوں میں بھی اسکی شرکت تیس فیصد ہی ہوگی، اور اس صورت میں جو بچے ہوں گے، یا دودھ یا اون کی جو منفعت حاصل ہوگی، اصل جانور کی طرح وہ سب بھی دونوں کے درمیان مشترک رہے گی، اور اگر

آئندہ یہ دونوں معاملہ ختم کرنا چاہیں تو کوئی شریک اپنی مرضی وخوشی سے اپنا حصہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کردے،اس صورت میں خریدنے والا پورے جانور کا مالک ہو جائے گا، یا دونوں وہ جانور کسی اور کے ہاتھ فروخت کرکے اس کا پیسہ آپس میں آدھا آدھا تقسیم کرلیں۔

(4)۔۔۔جانور کا مالک آدھاحصّہ پالنے والے کو ہبہ کرکے قبضہ بھی دیدے،اور باقی تمام وہی تفصیل ہوگی جو اس سے پہلے والی صورت میں ذکر کی گئی ہے۔یہ صورت بھی جائز ہے،کیونکہ بیع یا ہبہ کی صورت میں جانور دونوں کے درمیان مشترک ہوجائیگااور پھر اس سے جو کچھ بھی حاصل ہوگا یا اس میں جو اخراجات ہوں گے اس میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے۔البتہ اس صورت میں اگر یہ (جانور پالنے والا) شخص اصل مالک سے چارے وغیرہ کا نصف خرچہ وصول کرنا چاہے تو وصول کرسکتا ہے اور معاف کرنا چاہے تو معاف کرسکتا ہے۔

البتہ اگر کسی وقت کسی مقام پر اس مسئلہ میں اس قدر ابتلاء عام ہو جائے کہ اس سے بچنا ممکن نہ ہو سکتا ہو اور وہاں کا عرف بھی اس مروجہ صورت کو اس قدر اختیار کرچکا ہو کہ اس سے نکلنے میں بہت سے مفاسد کا سامنا ہورہا ہو اور ضرورت شدیدہ بھی متحقق ہوچکی ہو اور وہ تمام شرائط بھی پائی جارہی ہوں کہ جن کی بنیاد پر مذہب غیر پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے تو پھر ان حالات میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں مذہب غیر پر فتویٰ دینے کا مشورہ دیتے ہوئے انتہائی فقیہانہ اور حکیمانہ فیصلہ دیا جس کو امداد الفتاوی کے حوالے سے ذیل میں درج کیا گیا ہے۔

امدادالفتاویٰ میں مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے ایک استفتاء کے جواب میں فتاوی ابن تیمیہ (الاختیارات الفقہیہ) از امام ابن تیمیہ حنبلی کے حوالہ سے مروجہ عقد اجارہ کے بارے یہ تحریر فرمایا ہے کہ :

> "حنفیہؒ کے قواعد پر تو یہ عقد ناجائز ہے، جیساکہ سوال میں عالمگیریہ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے، لیکن بناپر نقل بعض اصحاب امام احمد کے نزدیک اس میں جواز کی گنجائش ہے، پس تحرز احوط ہے،اور جہاں ابتلاء شدید ہو توسع کیا جا سکتا ہے۔"[7]

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے جس عبارت کا حوالہ دیا ہے اس کو اصل کتاب کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے :

امام ابن تیمیہ کی کتاب "الاخبار العلمیة من الاختیارات الفقھیة" میں ہے :

> ولو دفع دابته أو نخله إلى من يقوم به وله جزء من نمائه، صح وهو ،رواية عن أحمد۔[8]
>
> "اگر کسی نے اپنا جانور یا کھجور کا درخت کسی کو دیا کہ وہ اس کی نگہداشت کرے، تو اس شخص کے لیے اس کی بڑھوتری میں سے ایک حصہ ہے، یہ قول صحیح ہے، جوکہ امام احمد کی ایک روایت ہے"

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی جدید فقہی مسائل میں اس مسئلہ کے تحت لکھتے ہیں کہ :

> "راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس تکلف کی بجائے موجودہ زمانہ میں عرف ورواج کی بنیاد پر حنابلہ رحمہ اللہ کا نقطہ نظر اختیار کرنے کی گنجائش ہے، مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔"[9]

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے عرف ورواج ہی کو بنیاد بنا کر اس مسئلہ میں مذہب غیر کے مطابق حکم لگانے کی گنجائش ذکر کی ہے، حالانکہ اس مسئلہ میں اہل علم حضرات نے بہت سی جائز صورتیں بھی پیش کی ہیں، جن کو اختیار کرتے ہوئے اپنے معاملے کو فقہ حنفی کے مطابق ہی درست کیا جاسکتا ہے، جہاں تک ان صورتوں کے بارے علم نہ ہونے کا مسئلہ ہے تو وہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ علماء کرام سے رابطہ کرکے ان صورتوں کو معلوم کریں اور اپنے معاملے کو فقہ حنفی کے مطابق ہی شریعت کے مطابق کرلیں۔ غالبا فی الحال اس قدر اس مسئلہ میں ضرورت شدیدہ متحقق نہیں ہورہی ہے کہ جس کہ بنیاد پر اس مسئلہ میں مذہب غیر پر فتویٰ دیا جاسکتا ہو، البتہ جب ضرورت متحقق ہوجائے گی تو امداد الفتاویٰ کی عبارت کے مطابق فتویٰ دینے کی گنجائش بھی ہوجائے گی۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے فتویٰ پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ نے فتویٰ تو وہی ارشاد فرمایا جو جمہور علماء حنفیہؒ کا ہے، اور اس طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ اسی پر عمل کرنے میں احتیاط بھی ہے، اور "ابتلاء شدید" کی قید لگا کر یہ واضح فرمادیا کہ اگر کسی زمانے میں ایسی صورت بن جائے کہ اس میں ابتلاء شدید ہوجائے اور اس سے بچنا ممکن نہ ہو تو پھر امام ابن تیمیہ کی عبارت کے مطابق حنبلی مذہب پر فتویٰ دینے کی گنجائش ہے۔

اہل فتاویٰ کی تصدیقات کے لیے اس کو چند دار الافتاء میں ارسال کیا گیا، وہاں سے یہ جوابات ارسال ہوئے جن کا حاصل ذیل میں دیا گیا ہے: جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا کو یہ تحقیق ارسال کی گئی، وہاں کے رئیس الافتاء مفتی سید عبد القدوس نے یہ جواب ارسال کیا:

> "احقر نے عزیز محترم مولوی محمد عبد اللہ چنیوٹی سلمہ اللہ تعالیٰ کا تحریر کردہ مرسلہ فتویٰ پڑھا سوال میں جتنی صورتیں لکھی گئی تھیں چونکہ وہ سب اجارہ فاسدہ کی ہیں، اس لیے اصولی طور پر یہ جواب کہ "یہ سب ناجائز اور واجب الفسخ ہیں" بالکل صحیح اور قواعد احناف کے مطابق ہے۔۔۔اسی طرح عزیز مجیب سلمہ نے متبادل کے طور پر جو صورتیں ذکر کی ہیں وہ سب بلا شبہ صحیح اور درست ہیں، ان پر عمل کرنے سے یہ معاملہ اجارہ فاسدہ سے نکل جائے گا اور بلا شبہ صحیح ہوگا، فلہذا ان صورتوں کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔
>
> اب رہا یہ کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ہاں یہ سب صورتیں جائز ہیں، اور ابتلاء شدید کے وقت احناف کے لیے بھی دوسرے مذہب پر فتویٰ دینا جائز ہے، جیساکہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے بھی امداد الفتاویٰ میں اس کی تصریح فرمائی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ گنجائش اس وقت ہے جب اپنے مذہب پر عمل نہ کرسکتا ہو، اور ابتلاء بھی شدید ہو، جبکہ یہاں ایسی متبادل صورتیں موجود ہیں جن کی موجودگی میں اپنے مذہب پر عمل کیا جاسکتا ہے، اور پھر ابتلاء شدید میں بھی کلام ہے۔
>
> اس لیے احقر کے خیال میں جو شخص ایسا کرنا چاہے اس کو یہی جواب دیا جائے جو یہاں دیا گیا ہے، لیکن جہاں اجارہ فاسدہ پر عمل کیا جاچکا ہو، اور اس کے فسخ میں بھی حرج ہو نیز متبادل صورتوں پر عمل بھی مشکل ہو، وہاں حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے فتویٰ جواز پر فتویٰ اور عمل کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔"

اسی طرح یہ تحقیق دار العلوم دیوبند کے دار الافتاء کو بھی بذریعہ ای میل ارسال کی گئی، وہاں کے مفتیان کرام میں سے مفتی محمد نعمان سیتاپوری، مفتی حبیب الرحمٰن اور مفتی محمود حسن بلند شہری نے درج ذیل جواب ارسال کیا:

"تصدیق کی جاتی ہے کہ جانور کو بٹائی پر دینے کی مختلف جائز و ناجائز صورتوں کے متعلق جناب مولانا مفتی محمد عبد اللہ صاحب مد ظلہ (سابق مفتی واستاذ جامعہ حقانیہ ساہیوال، سرگودھا) کا منسلکہ فتوی قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں صحیح ودرست ہے، ہم اس سے اتفاق کرتے ہیں۔"

ایک اشکال اور اس کا جواب

مفتی شبیر احمد قاسمی نے فتاوی قاسمیہ میں اس موضوع پر ایک اشکال کا عمدہ جواب بھی تحریر کیا ہے، جس کا حاصل ذیل میں دیا گیا ہے:

اس صورت مسئلہ پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ مادہ جانور کو اگر کوئی شخص ادھیا پر دے تو اس کے ناجائز ہونے کی اصل علت کیا ہے؟ جس کی وجہ سے یہ معاملہ کرنا درست نہیں، جبکہ مزارعت میں اگر کسی ایک شخص کی طرف سے زمین ہو اور باقی کام جن میں ہل چلانا، بیج ڈالنا اور اس کا انتظام کرنا وغیرہ عامل کی جانب سے ہو، تو یہ جائز ہے، اگر اس کو ادھیا کے معاملہ پر قیاس کریں تو اس کو بھی ناجائز ہونا چاہیے، و گرنہ ادھیا والا معاملہ بھی جائز ہونا چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ مادہ جانور کو ادھیا پر دینے کی صورت میں جو کچھ دیکھ بھال کرنے والے کو دودھ یا پیدا ہونے والے بچوں کی شکل میں ملتا ہے، یہ گویا کہ اس کے عمل یعنی اس کی دیکھ بھال کرنے، اور چارہ ڈالنے کی اجرت ہے، اور اجارہ میں مدت اجارہ اور اجرت ومنفعت کا متعین ہونا ضروری ہے، اگر مدت اجارہ یا اجرت متعین نہ ہو تو ایسا عقد شرعاً فاسد ہوتا ہے، اور ایسا عقد جائز نہیں ہوتا، جبکہ مادہ جانور کو ادھیا پر دینے کی صورت میں یہ سب چیزیں متعین نہیں ہوتیں، اسی وجہ سے یہ معاملہ جائز نہیں۔

اس کے مقابلہ میں مزارعت میں بیج انسان اپنے ہاتھ سے بوتا ہے، اور ادھیا کے معاملہ میں جانور کے بیج یعنی مادہ منویہ میں انسان کا کوئی دخل نہیں، بلکہ اس میں جانوروں کا آپس کا دخل ہے، اسی طرح نر اور مادہ جانور کے مجانست کرنے کے بعد مادہ جانور کے پیٹ میں نطفہ ٹھہر چکا ہے یا نہیں؟ اس کا علم انسان کو نہیں ہوتا بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اور مادہ جانور کے پیٹ میں جو بچہ پرورش پاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں پرورش پاتا ہے، اس میں انسان کا کوئی دخل نہیں ہوتا، اس طرح ادھیا کے معاملہ میں ہر چیز غیر معلوم اور غیر متعین یعنی مجہول ہے، اور زمین میں بیج بونے اور پھر پودا اگنے، اس کے بعد کھاد اور اس کی ہر طرح کی حفاظت سب کچھ انسان کی نگرانی میں ہوتا ہے، اس طرح مزارعت میں ہر چیز معلوم و متعین ہے اس لیے ادھیا کے معاملہ اور مزارعت کے معاملہ کے مابین کوئی مناسبت نہیں، لہٰذا ادھیا کے معاملہ کو مزارعت پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ (10)

گویا کہ اس معاملہ کو مزارعت پر قیاس نہیں کر سکتے، کیونکہ دونوں معاملات میں بہت سے فروق ہیں، جس کی وجہ سے ایک کا دوسرے پر قیاس مع الفارق ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ جس میں اکثر لوگ مبتلا ہیں کہ لوگ جانوروں کو ادھیا پر دے دیتے ہیں، اور جس طرح معاملہ طے پاتا ہے اس کی عوام میں رائج صورتیں مذہب حنفیہؒ کے مطابق ناجائز ہیں اور اجارہ فاسدہ کے حکم میں ہیں، اس کو فسخ کرنا واجب ہے، اس مروجہ معاملہ کے فاسد ہونے کی وجہ یہ ہے اس اجارہ کے معاملہ میں اجرت اور مدت دونوں مجہول ہیں، البتہ اگر

کسی وقت کسی مقام پر اس مسئلہ میں اس قدر ابتلاء عام ہو جائے کہ اس سے بچنا ممکن نہ ہو سکتا ہو اور وہاں کا عرف بھی اس مروجہ صورت کو اس قدر اختیار کر چکا ہو کہ اس سے نکلنے میں بہت سے مفاسد کا سامنا ہو رہا ہو اور ضرورت شدیدہ بھی متحقق ہو چکی ہو۔ گویا کہ وہ تمام شرائط پائی جا رہی ہوں کہ جن کی بنیاد پر مذہب غیر پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے تو پھر ان حالات میں مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں مذہب غیر پر فتویٰ دینے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ: "حنفیہ کے قواعد پر تو یہ عقد ناجائز ہے، جیسا کہ سوال میں عالمگیریہ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے، لیکن بنا پر نقل بعض اصحاب امام احمد کے نزدیک اس میں جواز کی گنجائش ہے، پس تحرز احوط ہے، اور جہاں ابتلاء شدید ہو توسع کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے عصر حاضر میں عرف ورواج ہی کو بنیاد بنا کر اس مسئلہ میں مذہب غیر (امام ابن تیمیہ حنبلی) کے مطابق حکم لگانے کی گنجائش ذکر کی ہے، حالانکہ اس مسئلہ میں حنفی اہل علم حضرات نے ایسی بہت سی جائز صورتیں بھی پیش کی ہیں، جن کو اختیار کرتے ہوئے ہم اپنے معاملے کو فقہ حنفی کے مطابق درست کر سکتے ہیں۔

References

1(ا)الفتاوی الہندیہ، کتاب الاجارۃ، الباب الخامس، الفصل الثالث فی قفیز الطحان، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1421ھ، 2000ء۔ 502/4۔

(ب) فتاوی قاضی خان جدید، زکریا، 210/2؛ تاتارخانیہ، زکریا، 505/7، رقم 11، 10؛ فتاوی بزازیہ جدید، زکریا، 22/2، 21۔ بحوالہ فتاوی قاسمیہ؛ فتاوی قاسمیہ، مفتی شبیر احمد قاسمی، مکتبہ اشرفیہ، دیوبند۔ ہند، 1437ھ، 625/21۔

2در مختار، کتاب الاجارۃ، دار عالم الکتب، الریاض، طبع 1423ھ، 2003ء۔ 7/9۔

3الدر المختار ورد المحتار، 7/260۔ 261؛ مجمع الضمانات فی مذہب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان، ابو محمد بن غانم البغدادی، القسم الثانی فی الاجیر، تحقیق: محمد احمد سراح، علی جمعہ محمد، دار الکتاب الاسلامی، 116/1۔

4در مختار، کتاب الاجارۃ، 7/9۔

5رد المحتار، کتاب الشرکۃ، فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ، محمد امین ابن عابدین، دار عالم الکتب، الریاض، طبع 1423ھ، 2003ء۔ 504/6؛ ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، باب البیع الفاسد، دار الکتاب الاسلامی، 85/6؛ شرح فتح القدیر، کمال الدین محمد بن عبد الواحد، دار الفکر، بیروت، 421/6۔

6الفتاوی الہندیہ، کتاب الشرکۃ، الباب الخامس فی الشرکۃ الفاسدۃ، شیخ النظام وجماعۃ من العلماء الہند، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1421ھ، 2000ء۔ 346/2۔

7امداد الفتاوی، مولانا اشرف علی تھانوی، مکتبہ دار العلوم، کراچی، 343/3۔

8الاخبار العلمیۃ من الاختیارات الفقہیۃ للشیخ الاسلام ابن تیمیہ، باب الشرکۃ، علاؤ الدین ابو الحسن علی بن محمد الدمشقی الحنبلی (802ھ م)، تعلیق: محمد بن صالح العثیمین، تحقیق: احمد بن محمد بن حسن الخلیل، دار العاصمۃ للنشر والتوزیع، ص 214۔

9جدید فقہی مسائل، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، زمزم پبلشرز، کراچی، طبع 2010ء۔ 275/1۔

10 فتاوی قاسمیہ، مفتی شبیر احمد قاسمی، مکتبہ اشرفیہ، دیوبند۔ ہند، 1437ھ، 625/21۔